سو یامانے یاسر

اردو زبان کی منفرد آوازیں اور تہذیبی شناخت

This paper aims to reconsider how the 'Hindustani' language became a common language of northern India through the study of the systematization of Hindustani orthography in Perso-Arabic letters in the early nineteenth century. In addition, we will reexamine how religious identities were added to the Hindustani, which brought the division of Hindustani into Urdu and Hindi as a result.This article focused on the situation of Urdu orthography between the late eighteenth and early nineteenth centuries. And after that, Urdu orthography progressed with other elements, such as political and social changes in India and the language of Urdu became a cultural symbol of the Indo-Islamic culture.

اس مقالے کا مقصد اس بات کی وضاحت ہے کہ اردو زبان کی تہذیبی شناخت کا پس منظر کیا تھا۔ یہاں تہذیبی شناخت سے مراد ذاتی سطح پر نہیں، سرکاری سطح پر ہونے والی شناختی تشکیل ہے جس سے قومیت کا ایک مجموعی احساس پیدا ہوا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اردو کی تہذیبی شناخت پر زور انیسویں صدی کے وسط کے بعد نمایاں ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کے زمانے میں جب ہندو مسلمانوں کا تنازع شروع ہوا تو دونوں اپنے تہذیبی شعور پر زور دینے کے لیے ہندی یا اردو زبان کو ایک علامت کے طور پر استعمال کرنے لگے تھے۔ جس سے پہلے ہندی اردو "ہندوستانی" کے نام سے ایک ہی زبان کے طور پر سمجھی جاتی تھیں مگر یہ دو مختلف زبانوں کے طور پر سامنے آنے لگیں۔ اس مضمون میں اٹھارویں صدی سے لے کر، انیسویں صدی کے شروع کی دستاویزات کی مدد سے اردو کی تہذیبی شناخت کی تشکیل پر غور کیا جائے گا۔ خاص طور پر انگریزوں کے کردار پر روشنی ڈالی جائے گی جنھوں نے ہندوستانی کے قواعد لکھتے ہوئے چند اہم نکات پیش کیے تھے۔ امید ہے کہ اس مطالعے سے قومیت کی تعمیر میں زبان کی اہمیت روشناس ہو جائے گی۔

انیسویں صدی کے شروع میں انشاء اللہ خان انشاء نے "رانی کیتکی کی کہانی" لکھی۔ یہ اردو کی ادبی تاریخ میں ایک مصنوعی نثر کے طور پر مانی جاتی ہے۔ عربی فارسی رسم الخط میں لکھی جانے کے باوجود اس کہانی میں کوئی عربی یا فارسی لفظ شامل نہیں کیا گیا۔ اس لیے، ہندی ادب میں اسے پہلی جدید نثر مانا جاتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ کہانی اردو کی ہے یا ہندی کی؟ رسم الخط کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ اردو کی ہے لیکن ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ہندی ہی ہو سکتی ہے۔ خود انشاء نے اس کہانی کی زبان کو "ہندوی" لکھا ہے۔

جہاں تک اردو کو منفرد کرنے کے سلسلے میں ذخیرۂ الفاظ کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے لیے "فرہنگِ آصفیہ" کی مثال قابلِ غور ہے۔ یہ لغت بیسویں صدی کے آغاز میں مولوی سید احمد دہلوی کے ہاتھوں لکھی گئی تھی۔ اور اس لغت کے آخر میں ایک فہرست

Scanned by CamScanner

دی گئی ہے۔ فہرست بتاتی ہے کہ اس لغت میں پورے ۵۴۰۰۹ الفاظ شامل ہیں، جن میں خالص ہندی کے ۲۱۶۴۴ الفاظ ہیں، جو کہ اردو کے ۱۷۵۰۵، عربی کے ۷۵۸۴، فارسی کے ۶۰۴۱، سنسکرت کے ۵۵۴، انگریزی ۵۵۰، ترکی ۱۰۵، یونانی ۴۹، پنجابی ۱۶، عبری ۱۱، سریانی ۷، رومی ۴، فرانسیسی ۳، جاپانی ۲، ملایا ۱، ہسپانوی ۱ شامل کیے گئے ہیں۔ اردو، عربی، فارسی اور ترکی کی کل تعداد ۳۱۲۲۵ بنتی ہے (فرہنگ آصفیہ، ص ۹۴۷)۔ جو اس لغت کے تقریباً ساٹھ فی صد کا حصہ بنتی ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جب ہم اردو کے ذخیرۂ الفاظ کے بارے میں مثال دے کر اس کی فارسیت پر زور دیں تو کیا ساٹھ فی صد مناسب ہے یا نہیں؟ اس حل میں موضوعاتی نظری کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہم اردو کی خصوصیت کے بارے میں کوئی دوسرا عنصر تلاش کرتے ہیں جو واضح طور پر اردو کو اردو ہی بنا دے۔

انشاء کے زمانے میں برصغیر میں ایک جیسے قواعد کی کئی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اور ان کے کئی مختلف نام موجود تھے۔ اور اسی زمانے میں انگریز یہاں قبضہ کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ اور انھیں مقامی لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے ایک ایسی زبان کی ضرورت سامنے آئی تھی جسے بولنے سے وہ تقریباً سارے مقامی لوگوں کے ساتھ بات چیت کر سکیں۔ یورپی لوگ مثلاً جرمن یا پرتگیس سترھویں صدی سے ایسی زبان کے قواعد لکھتے آئے تھے ان میں کلکس جیسے آدمی معروف ہیں۔ ان لوگوں نے اس زبان کا نام "اندوستانی" "اندوستانیک" "ہندستانی" رکھا۔ پھر انگریزوں نے اسے "ہندوستانی" کے نام سے بلانا شروع کر دیا۔ اور اس زبان کے قواعد لکھنے میں مصروف ہوئے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ انشاء انگریزوں کے قواعد نویسی کے بارے میں کس حد تک آگاہ تھے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ انشاء جیسے ادیب کو بالکل معلوم نہ ہو۔ مگر اس بات کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں۔ بہر حال، انشاء کو اردو ہندی کی شناخت کے مسئلے کا خود احساس تھا۔ یہ بہت اہم بات ہے۔

جب انگریز مقامی زبانوں پر کام کر رہے تھے تو انھیں پتہ چلا کہ ہندوستان میں ایک ایسی زبان ہے جس کی دو مختلف رسم الخط موجود ہیں۔ یعنی فارسی اور دیوناگری۔ انھوں نے اس رسم الخط کے فرق کے بارے میں لکھا ہے مگر دلچسپ بات یہ کہ انھوں نے ذخیرۂ الفاظ کا کہیں نہیں ذکر کیا۔ عام طور پر ہندی اور اردو کے فرق کے لیے رسم الخط اور ذخیرۂ الفاظ کا ذکر آتا ہے لیکن اس زمانے کے انگریزوں نے اس کے علاوہ دوسرے فرق پر توجہ دی تھی، جس کے بارے میں آج تک نہیں کہا گیا ہے۔ اور یہ فرق، ہندی اردو کی مذہبی شناخت کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ہمیں صحیح معلوم نہیں کہ لفظ "ہندوستانی" کب سے زبان کے نام کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ لیکن بقول اکرام چغتائی صاحب، مائل دہلوی کے یہ اشعار سب سے پرانا نمونہ ہیں:

بولا وہ شخص یہ تو کہانی میں سب سنی — اردو کا بتا دے مسلسل کھلا کھلا
مشہور خلق اردو کا تھا ہندوی لقب — اگلے سفینوں بیچ یہ لکھ گئے ہیں سب لا
شاہ جہاں کے عہد سے خلقت کے بیچ میں — ہندوی تو نام مٹ گیا اردو لقب چلا

(اکرام چغتائی، "اردو بمعنی زبان کے متعلق نئی تحقیق" "اردو نامہ" ۲۶، ۱۹۶۶ء)

اس غزل کے مقطع کی ابجد شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۱۷۶ھ بمطابق ۱۷۶۳ یا ۱۷۶۲ عیسوی میں لکھا گیا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زبان کا نام پہلے ہندوی تھا۔

پھر مصحفی کا یہ بہت مشہور شعر ہمارے سامنے آتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ۱۷۷۶ء کے لگ بھگ کہا گیا۔ (گیان چند جین صاحب اس سنہ پر اعتراض کرتے ہیں):

خدا رکھے زبان ہم نے سنی ہے میر و میرزا کی — کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفی اردو ہماری ہے

Scanned by CamScanner

(گیان چند جین، جعفر سید، "تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک" جلد اول، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)

اس شعر کی اہمیت یہ ہے کہ میر اور سودا کی اردو زبان کا خاص لہجہ تھا کہ جسے دوسرے شاعروں کو استعمال کرنے میں مشکل پیش آتی تھی۔ خود میر تقی میر نے "نکات الشعراء" میں اپنی زبان کو "زبانِ اردوئے معلّٰی شاہ جہان آباد دہلی" یا "ریختہ" لکھا ہے اور "ذکر میر" میں بھی "زبانِ اردوئے معلّٰی یا شاہ ہندوستان" لکھا ہے۔ ہمیں میر کے اس اقتباس کی اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ انھوں نے "زبانِ اردوئے معلّٰی" لکھا، "اردو زبان" نہیں لکھا۔ گویا "اردو" زبان کا نام نہیں، کسی مخصوص مقام کا نام ہے۔

اسی طرح میر امن نے "باغ و بہار" کے مشہور دیباچے میں اردو کا نام علاقائی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ یعنی اب خداوند نعمت صاحب مروت نجیبوں کے قدر دان جان گلکرسٹ صاحب نے لطف فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ترجمہ کرو۔" (میر امن "باغ و بہار" ۱۸۰۳ء (ادھ ۱۹۹۸ء ایڈیشن) لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز)

ہم پھر انشاء کی تحریر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کی کتاب "دریائے لطافت" کے آغاز میں انھوں نے یوں لکھا کہ "اگرچہ لاہور، ملتان، اکبر آباد اور الٰہ آباد بھی ذی شوکت بادشاہوں کا مسکن رہے ہیں لیکن ان کو دہلی کے برابر نہیں کہ سکتے کیونکہ یہاں اور مقاموں کے مقابلے میں بادشاہوں کا قیام زیادہ رہا ہے۔ یہاں کے خوش بیانوں نے متفق ہو کر متعدد زبانوں سے اچھے اچھے لفظ نکالے اور بعض عبارتوں اور الفاظ میں تصرف کر کے اور زبانوں سے الگ ایک نئی زبان پیدا کی، جس کا نام 'اردو' رکھا۔" ("دریائے لطافت" ص ۴) آگے وہ مزید لکھتے ہیں کہ شاہ جہان آباد کی نئی زبان کو "اردو" رکھا جانے کے بارے میں لکھ کر، اردو نامی علاقے پر تفصیل سے کچھ یوں بیان کیا ہے کہ "وہ مقامات جہاں فصیحوں کا مجمع ہے یہ ہیں، قلعۂ مبارک بادشاہی اور دو محلے اور ایک جگہ سید تقی بوند مرزا اکم مرثیہ خواں متوفی کے گھر سے اسمٰعیل خاں صفدر جنگی کی حویلی تک اور وہاں سے سلک آفاق حضرت سلک زمانیہ مت فرح سیر بادشاہ کی حویلی تک جسے ایک ضلع سمجھنا چاہیے بلکہ بعضوں کے نزدیک کابلی دروازہ اور اس کے باہر شاہ بولا کے تکیے تک، اور اسی حصے میں نواب شیر جنگ مرحوم اور چوک نواب سعادت خاں بہادر برہان الملک مغفور سے لے کر پھاٹک حبش خاں تک داخل ہے۔" ("دریائے لطافت"، ص ۳۶ تا ۳۷) اور وہ اردو کی زبان کی امتیازی حیثیت پر زور دیتے ہیں کہ یہ زبان فصیح ہے اور فصحا ہی بول سکتے ہیں (انشاء "دریائے لطافت" ۱۹۸۸ء (۱۹۳۵ء) کراچی، انجمن ترقی اردو، ص ۳۵۔۳۸)

علاوہ ازیں، انشاء نے اردو کی زبان کے محاورے کا دوسری زبانوں سے منفرد ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ مگر دلچسپ بات یہ کہ انشاء نے جن محاوروں کی مثالیں دی ہیں وہ اکثر مقامی لہجے کے ہیں، فارسی یا عربی کا اثر بہت کم پایا جاتا ہے۔

یوں دیکھا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو نامی ایک مخصوص علاقے میں مستعمل زبان کا اپنا لب و لہجہ موجود تھا اور لوگ اسے فصیح سمجھتے تھے۔

مقامی ادیبوں کے قول کی طرح گلکرسٹ نے بھی یہی خصوصیت محسوس کی تھی۔ ویسے تو "باغ و بہار" کے دیباچے میں اردو زبان کے بارے میں "ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو" کہا گیا ہے۔ یہ بھی گلکرسٹ کا تصور ہو سکتا ہے۔ لیکن انھوں نے دوسرے موقع پر اور دلچسپ بات لکھی ہے کہ:

"the Hindoos and low Moosulmans commonly confound them, as they also do fu, sha, zu, zhu, with pu, p, hu, su, and ju" [OL:xii] . In another place, he also writes that "difference may

be also found in the pronunciation" [SHE:xvii] .

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو اور عام مسلمان ف، ز جیسی آوازیں بول نہیں سکتے تھے۔ بلکہ ''فصیح مسلمان'' جنھیں شریف مسلمان بھی کہیں، ان آوازوں کو ادا کر سکتے تھے، جو اردوئے معلّٰی میں رہ کر انڈو اسلامی تہذیب کے عروج کو دیکھ رہے تھے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر ہندی اردو کی تفریق کے لیے رسم الخط اور ذخیرۂ الفاظ کی باتیں کہی جاتی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کے علاوہ، آوازوں کا فرق بھی ایک اہم عنصر کے طور پر انگریزوں کے سامنے آتا تھا۔

گلکرسٹ نے اردو کے بارے میں "polished language" یا 'language of the royal camp and court' [SEH: xvi] جیسا لقب دیا ہے۔ اگر گلکرسٹ polished کی جگہ particular یا peculiar جیسے الفاظ استعمال کرتے تو اردو کی خصوصیت صرف شاہ جہان آباد کے مخصوص لہجے تک محدود ہو سکتی تھی۔ لیکن انھوں نے polished کا لفظ استعمال کیا، جس سے اردو ایک ''فصیح'' لہجے کے طور پر سامنے آیا۔ ان کا یہ انداز، ان کے شاگرد تھامس روبک کے یہاں بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ روبک نے بھی اردو کے بارے میں لکھا کہ:

"the refined and elegant Language, which is denominated OOrdoo, or the Court dialect of Hindoostan" [ACF: 448].

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اردو ایک فصیح اور خوب صورت آوازوں کی زبان کے طور پر مانی جاتی تھی پھر انگریزوں نے جس زبان کو سیکھنے کا فیصلہ کیا تھا، اس کا نام اردو کی جگہ کیوں ''ہندوستانی'' رکھا؟

اس سوال کے جواب میں انگریزوں کے یہ اقتباس دیکھیے:

"By the happy result of a just, wise, and moderate system of policy, extensive territories in Hindooštan and in the Dekkan have been subjected to the dominion of Great Britain, and under the government of Honourable the English East India Company c[CFW 1805 F23]"

"On the subject of the modern dialect of Upper India, I with pleasure refer to the works of Mr. Gilchrist, whose labours have now made it easy to acquire the knowledge of an elegant language, which is used in every part of Hindoostan and the Dukhin, which is the common vehicle of colloquial intercourse among all well-educated natives; and among the illiterate also in many provinces of India, and which is almost every where intelligible to some among the inhabitants of every village.[SE1 1808 Fxv]"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''ہندوستان''، ''دکن'' کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے۔ یعنی انیسویں صدی کے آغاز میں انگریز اپنے سرکاری دستاویزات میں ''ہندوستان''، ''شمالی ہندوستان'' یعنی دوآب علاقے کو کہتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عام

Scanned by CamScanner

طور پر پورے برصغیر کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا تھا۔ گلکرسٹ لکھتے ہیں:

"Hindustan is a compound word, equivalent to Hindoo-land or Negro-land, and too well known to require any description here. It is inhabited chiefly by Hindoos and Moosulmans" [OL: iii].

پھر انھوں نے دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے:

"comprehensive term of Hindoostanee, and which I have adopted for the above and following reasons. This name of the country being modern, as well as the vernacular tongue, in question, no other appeared to appropriate as it did to me, when I first engaged in the study and cultivation thereof. The natives and others call it also Hindee, Indian, from Hind, the ancient appellation of India, cannot be denied; but as this is apt to be confounded with Hinduwee, Hindoo,ee, Hindvee, the derivative form from Hindoo, I adhere to my original opinion, that we should invariably discard all other denominations of the popular speech of this country, including the unmeaning word Moors, and substitute for them Hindoostanee, whether the people here constantly do of or not, as they can hardly discriminate sufficiently to observe the use and propriety of such restructions, even when pointed out of them. Hinduwee, I have treated as the exclusive property of the Hindoos alone, and have therefore constantly applied it to the old language of India, which prevailed before the Moosulman invasion, and in fact, now constitutes among them, the basis or ground work of the Hindustani, a comparatively recent superstructure, composed of Arabic and Persian, in which the two last may be considered in the same relation, that Latin and French bear to English, while we may, justly treat HInduwee of the modern speech or Hindustani, as the Saxon of the formeric"[OL:iii]

ان کی ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسی زبان ہونے کا امکان تھا جسے اس علاقے کے بیشتر لوگ سمجھ سکتے تھے۔ اس زبان کا نام رکھتے ہوئے اگر لفظ "ہند" سے نیا نام بنایا جائے تو "ہندوی" جیسے نام کے ساتھ مل کر غلط فہمی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ بقول گلکرسٹ لفظ "ہندوستان" نسبتاً نیا نام تھا اس لیے انھوں نے اس زبان کے لیے "ہندوستانی" اختیار کیا۔

Scanned by CamScanner

ہمیں معلوم نہیں کہ لفظ "ہندوستانی" زبان کے نام کے طور پر کس نے استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ چنانچہ بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ انگریزوں نے کیا ("گیان چند")۔ [Das 1978:44] لکھتے ہیں کہ یہ واضح نہیں کہ گلکرسٹ نے کیوں اردو کا نام استعمال نہیں کیا تھا لیکن یہ ممکن ہے کہ انھوں نے ایسا اس لیے کیا ہو کہ وہ ایک نئی زبان پیدا کرنا چاہتے تھے جو فارسی آمیز اردو اور عام بول چال کی کھڑی بولی کے ملاپ سے بنے۔ خاں صاحب بھی ان کی اس رائے سے متفق ہوتے ہوئے یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اردو ہندوستانی جیسے ناموں کے ساتھ غلط فہمی پیدا ہونے کے خیال سے دونوں نام مروج رہے تھے اور چونکہ اردو ایک مخصوص علاقائی نام تھا، اس لیے انھوں نے کلکتے کے کالج میں سکھائی جانے والی زبان کے نام کے لیے الگ سا نام رکھا جیسے سننے سے لوگوں کو یہ احساس ہو کہ یہ ہندوستان کے سارے علاقے میں سمجھی جاتی ہے۔

ہندوستانی یا اردو کی ترقی کے لیے دوسرا اہم پس منظر یہ تھا کہ اس زمانے میں انگریز ہندوستان کے سامراجی نظام میں دوسرے یورپی ممالک سے آگے نکل چکے تھے۔ گلکرسٹ کے آنے سے چند سال قبل انگریزوں کو فارسی سے دلچسپی تھی اور ولیم جانز کی محنت سے ایشیاٹک سوسائٹی ۱۷۸۴ء میں قائم ہوئی۔ اور کلاسیکی زبانوں یعنی سنسکرت اور فارسی کے بارے میں مطالعہ شروع ہوا تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مقامی لوگوں کی عام بول چال سیکھنے کی ضرورت بڑھتی گئی اور آخر انھوں نے بول چال کی ایک ایسی زبان سیکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس لیے اس زمانے کے انگریزوں کی سیاسی اور اقتصادی صورت حال بھی بہت اہم پس منظر ہے۔

انگریز پہلے فارسی سے دلچسپی لے رہے تھے۔ مگر سیاسی اور اقتصادی تقاضے سے اردو (ہندوستانی) کی طرف توجہ دیے گئے۔ لیکن اٹھارویں صدی کے آخر میں انگریزی میں کوئی مناسب کتاب نہیں چھپی تھی۔ صرف جارج ہیڈلے کی کتاب دستیاب تھی اور بہت بک رہی تھی۔ یہ کتاب باقاعدہ قواعد کی کتاب کے طور پر نہیں لکھی گئی بلکہ آسان ترین "گفتگوؤں کا مجموعہ" کہنا مناسب ہوگا۔ ہیڈلے لکھتے ہیں کہ اردو کے ساکن حروف صرف پانچ ہیں۔ وہ 'ت' اور 'ٹ'، 'د' اور 'ڈ' کی تفریق نہیں کرتے۔ اور 'ہونا' بھی موضوع کے اعتبار سے تبدیل نہیں کراتے۔ یعنی "میں ہوا، ہم ہوا، وہ ہوا، تو ہوا، تم ہوا"۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد صرف گفتگو تھا، صحیح قواعد سکھانا نہیں تھا۔ ہیڈلے کی کتاب چھوٹی سی تھی اور سستی ہونے کی وجہ سے بہت بک رہی تھی۔

اس کے برعکس گلکرسٹ کی کتاب تین تین سو صفحوں پر مشتمل بہت ضخیم قواعد تھی۔ اور قیمت بھی مہنگی تھی۔ اس لیے یہ کتاب بک نہیں رہی تھی۔ گلکرسٹ اپنی کتاب کے نہ بکنے سے اور ہیڈلے کی اغلاط سے بھری ہوئی کتاب کی زیادہ بکنے سے خاصے ناراض تھے۔ گل کرسٹ کی کتاب کے دیباچے میں انھوں نے ہیڈلے اور ان کی تصنیف پر بہت سی گالیاں دی ہیں۔ خیر، پھر بھی ان کی کتاب نہیں بک رہی تھی۔

مگر گل کرسٹ کی زندگی میں ایک اہم اور بہت بڑا موڑ آیا کہ مارکس ویلزلی نے گلکرسٹ کو ہندوستانی زبان کے ماہر کے طور پر رکھا۔ پہلے انھوں نے "اورینٹل سیمنری" کے نام سے ۱۷۹۹ء میں ایک سکول قائم کروایا جسے "مسٹر گل کرسٹس سیمنری" کہا جاتا تھا، پھر ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج بنایا گیا، جہاں گلکرسٹ شعبہ ہندوستانی کے پروفیسر کے طور پر رکھے گئے۔ [CFB: 82]

یہاں یہ بات بہت اہم ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کے یہاں ہندوستانی یعنی اردو کے ماہر گلکرسٹ کے علاوہ کوئی خاص آدمی نہیں تھا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد سے سارا اختیار ان کے حصے میں آیا۔ اس لیے، گلکرسٹ نے اس زبان کا نام ہندوستانی رکھا، وہی ہوا اور اردو کو ایک فصیح زبان کا لقب دیا، سو ہوا۔ گل کرسٹ کے کہنے پر متعدد کتابیں چھپیں۔ کتاب کے چھپنے سے یہ بات ہوئی کہ نثر یعنی بول چال کی زبان کا ایک معیار قائم ہوا۔ اور ٹائپ میں چھپنے سے حروف بھی مقرر کیے گئے جو اس

سے پہلے کاتبوں کی وجہ سے مختلف ہوا کرتے تھے۔ گلکرسٹ سے پہلے، اٹھارویں صدی کے وسط میں عنایت خاں راسخ نے
''کارستان'' میں مقامی آوازوں کو فارسی رسم الخط میں لکھنے کا طریقہ تجویز کیا تھا (عارف نوشاہی، 'اردو حروف تہجی کے املا کے
قواعد پر ایک قدیم فارسی تحریر، دیباچہ' کارستان'' ''بازیافت'' نمبر ۴، ۲۰۰۴ء، ۱۱۸۔۹۷)۔ مگر راسخ کی تجویز کے باوجود اردو
کے حروف تہجی کا ایک ہی معیار مقرر نہیں ہوا تھا۔ راسخ کے بعد، انشاء نے اردو کے حروف کی تعداد پر بحث کی ہے۔ اور انھوں
نے اردو حروف کی تعداد ۸۵ قرار دیے ہے۔ (دریائے لطافت، ۹۔۸)۔ مگر فورٹ ولیم کالج میں، ٹائپ کی صورت میں کتابوں
کے چھپنے سے، اردو حروف تہجی میں بھی کافی ترقی آئی تھی۔ حروف تہجی کے سلسلے میں گل کرسٹ نے ایک معیار قائم کیا تھا جو
فورٹ ولیم کالج کی بیشتر تصانیف میں نمایاں ہے۔ اور یہ تجویز آج بھی ''خرد افروز'' کے آخری حصے میں ہم پڑھ سکتے ہیں۔
گل کرسٹ نے ہندوستانی زبان کی قواعد لکھتے ہوئے حروف تہجی پر بھی کافی محنت کی مگر ان کی تحریروں میں ان کی رائے
وقتاً وقتاً بدلتی نظر آتی ہے۔ ۱۷۹۸ء کی اپنی کتاب میں وہ اردو کے حروف کی تعداد حروف علت کے لیے ۱۱ اور ساکن کو ۲۲ لکھتے ہیں
مگر دس سال بعد، وہ دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں کہ حروف علت ۱۱ ہیں اور ساکن ۴۸۔ مگر اس کے دو سال بعد، یعنی ۱۸۱۰ء
میں انھوں نے حروف علت کی تعداد ۱۳ اور ساکن کو ۳۶ قرار دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک تو یہ کہ گل کرسٹ کے
زمانے میں ہندوستانی کے قواعد مستند صورت میں نہیں تھے اور گلکرسٹ کے کہنے پر بار بار تبدیلیاں آ جاتی تھیں۔
گلکرسٹ نے اردو کی خصوصیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہندوستانی قواعد لکھی۔ اس لیے، انھوں نے دیوناگری میں بھی ایسے
حروف بنا دیے جو ناگری میں نہیں تھے۔ مثلاً 'ق' یا 'ز' کی آواز ادا کرانے کے لیے، گل کرسٹ نے ناگری کے ''ک'' یا ''ج''
جیسے حروف کے نیچے ایک نقطہ لگوایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ ہندی اردو ایک ہی زبان ہیں۔ لیکن گل کرسٹ
نے رسم الخط یا ذخیرۂ الفاظ سے نہیں، آوازوں کے فرق سے ان دونوں کا فرق محسوس کیا تھا۔
یوں دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجے تک پہنچ آتے ہیں کہ اردو کی تہذیبی شناخت کے بارے میں عموماً اسلامی تہذیب کا ذکر آتا
ہے اور اس کی ثبوت کے لیے اردو کے رسم الخط اور ذخیرۂ الفاظ کا ہندی سے مختلف ہونے پر زور دیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس مختصر
مضمون سے اس بات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اردو کی آوازوں اور لہجوں میں دوسری مقامی زبانوں کے مقابلے
میں خاصا فرق تھا جس کو انشاء یا گلکرسٹ جیسے ہم عصر لوگوں نے محسوس کیا تھا جو اردو زبان کے قواعد لکھنے میں مصروف تھے۔ اور
انگریزوں نے اردو قواعد اور ادبی کارناموں کی کتابیں ٹائپ کے ذریعے شائع کرانا شروع کیں تھیں اس لیے اردو کے حروف
تہجی کا تعین بھی ہوا۔ اس کام میں اردو کا منفرد تہذیبی عنصر نمایاں ہوا جو بعد کے زمانے میں سیاسی تحریکوں میں مشہور ہوا۔
آخر میں راقم حروف ایک اور بات عرض کرنا چاہتا ہے کہ انشاء نے ''دریائے لطافت'' میں لکھا ہے کہ اٹھارویں صدی کے
بیچ میں جب نادر شاہ اور احمد شاہ درانی نے دہلی پر حملہ کیا تو شاہ جہان آباد کے بہت سے ادیب، فنکار وغیرہ لکھنؤ جیسے پوربی
مقامات میں پناہ لینے کے لیے آئے تھے۔ اور خود انشاء بھی ان میں سے تھے۔ وہ لوگ دہلی سے دور ہوتے ہوئے بھی دہلی کی
فصیح زبان اور لہجہ استعمال کرتے رہے۔ یہ قول تو عام سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اردو سمجھنے والوں کا دائرہ پھیل جانے کے بارے
میں سوچتے ہوئے ہمیں ان حملوں کی وجہ سے بھاگ جانے والوں کی بات پر غور کرنا چاہیے۔

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

ACF Wellesley, Marquis, arranged and published by Thomas Roebuck, The Annuals of the College of Fort William, from the Period of its Foundation, Calcutta: the Hindoostanee Press [IOR/F731, f.12/ V371]

CFW College of Fort William, (1805) "The College of Fort William in Bengal", London, T. Cadell and W. Davis. [IOR 731,1,13/ V7727]

DNB Sir Leslie Stephan & Sir Sidney Lee (ed.) (1822) The Dictionary of National Biography, VII, (1922, rep) OUP.

EIC East India College, Haileybury, 1806-1858, Records and Records of Other Institutions, 1749-1925. London: Her Majesty's Stationary Office [OIOC J/1-4; K1-3]

HP Gilchrist, John Borthwick,(1801) Hindoostanee Philology: Comprising a Dictionary, English and Hindoostanee, also Hindoostanee and English, with a Grammatical Introduction, Edinburgh: Walker and Greig,[OIOC V4566]

OL Gilchrist, John Borthwick (1798) The Oriental Linguiest, Calcutta: Ferris and Greenway. [IOR 1502/371/1-2]

PVE (1806) A Preliminary View of the Establishment of the Honourable East-India Company in Hertfordshire for the Education of Young Persons Appointed to the Civil Service in India. [OIOC/J/I/21,44-63, mss noted by John Borthwick Gilchrist]

SEH Gilchrist, John Borthwick (1808) The Stranger's East India Guide to the Hindoostanee; Or Grand Popular Language of India(Improperly Called Moors) London. [OIOC:T7193]

TH Tofat al-Hind [OIOC: ethe 2442, 335f]

Ahmad, Nazir (1985) Oriental Presses in the World, Lahore: Qadira Book Traders.

امن، میر (مرتبہ جمیل عباس) (۲۰۰۶ء) "باغ و بہار" ملتان، بیکن بکس

امن، میر (۱۹۹۲ء (۱۸۰۲ء)) "باغ و بہار" لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز

Aqeel, Moinuddin (1994) 'Language and Nationalism, Hindi, a Cause in the Emergence of Separatism in British India', "Tokyo Gaikokugo Daigaku Ronshu", 49, pp.199-208.

Scanned by CamScanner

Bowen, John (1955) 'The East India Company's Education of its Own Servants', Journal of the Royal Asiatic Society.

Burke, Peter (1995) Introduction, (ed. by Burke, Peter and Porter, Roy)Languages & Jargons Contributions to A Social History of Language, London: Polity Press.

College of Fort William, 1805, "The College of Fort William in Bengal", London, T. Cadell and W. Davis. (IOR 731.1.13/ V7727)

اکرام چغتائی، (۱۹۹۹) 'اردو معلّی زبان کے متعلق نئی تحقیق'' 'اردونامہ' ۲۶۔

Das, Sisir Kumar (1978) Sahibs and Munshis : An Account of the College of Fort William, Calcutta.

دہلوی، مولانا سید احمد (۱۹۸۷، (۱۹۰۱)) فرہنگ آصفیہ'' لاہور، اردو سائنس بورڈ

Ehlers, Eckart and Krafft Thomas (1993) Shahjahanabad / Old Delhi Tradition and Colonial Change (2003 rep ed), Delhi: Manohar.

Gilchrist, John Borthwick (1803) The Hindee Story Teller or Entertaining Expositor of the Roman, Persian, and Nagree Characters, Simple and Compound, in Their Application to the Hindoostanee Language, as a Written and Literary Vehicle.(1806 sec. ed) Calcutta: Hindoostanee Press.

Hadley, George (1796) A Compedious Grammar of the Current Corrupt Dialect of the Jargon of Hindosatn (Commonly Called Moors), with a Vocabulary English and Moors, Moors and English, with References between Words Resembling Each Other in Sound, And Different in Signification, and Literal Translations of the Compounded Words and Circumlocutory Expressions for Attaining the Idiom of the Language. To Which Are Added Familiar Phrases and Dialogues, &C, &C., With Notes Descriptive od Various Customs and Manners of Bengal. For the Use of the Bengal and Bombay Establishments, The Fourth Edition Corrected and Much Enlarged., London: J. Sewell.

انشاءاللہ خاں انشا، (عبدالحق (مرتبہ)) ۱۹۸۸، (۱۹۳۵)) ''دریائے لطافت'' کراچی، انجمن ترقی اردو

جین، گیان چند، جعفر سید، (۱۹۹۸ء) ''تاریخ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک جلد اول'' نئی دہلی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

کشمیری، تبسم (۲۰۰۳) ''اردو ادب کی تاریخ'' لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز

Khan, Sir Syed Ahmed, Quraishi, Salim al-Din(ed) (1873) Cause of The Indian Revolt; Three Essays, (1997 rep.ed) Lahore: Sang-e Meel Publications.

Scanned by CamScanner

Kidwai, Sadiq-ur-Rahman, 1972, Gilchrist and the Language of Hindoostan, New Delhi: Rachna Prakashan.

Majeed, Javed, 1995, "The Jargon of Indostan': An Exploration of Jargon in Urdu and East India Company English', "Languages & Jargons Contributions to A Social History of Language"(ed. By Burke, Peter and Porter, Roy), London: Polity Press.

نوشاہی، عارف (۲۰۰۴) 'اردو حروف تہجی کے املا کے قواعد پر ایک قدیم فارسی تحریر، دیباچہ گارستان'' بازیافت'' ۴، لاہور، اورینٹل کالج، ص ۹۸ تا ۱۱۸

Platts, John, T. (1884) A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English, (1990 rep ed) Lahore: Sang-e Meel Publications.

Platts, John, T. (1909 fifth impression) A Grammar of the Hindustani, Urdu Language, (first ed. 1874, 2002 rep ed) Lahore: Sang-e Meel Publications.

Rai, Amrit (1984)A House Divided, New Delhi: OUP.

سرہندی، وارث (۱۹۹۰ء) ''علمی لغت'' لاہور، علمی کتب خانہ

Sawda, Miza Muhammad Rafi' (1825) Kulliyat-e Sawda, Calcutta: College of Fort William(i.o.islamic 353)

Shackle, C. & Snell, R (1990) Hindi and Urdu Since 1800 A Common Reader, New Delhi: Heritage Publishers.

Schulzino (Schultz), Benjamin (1977) A Grammar of Hindoostani Language, (first ed. 1741) Lahore: Majlis-e Taraqqi- e Adab.

Sikka, R.P. (1984) The Civil Service in India, New Delhi: Uppal Publishing House.

Yule, Henry & Burnell A.C.(1986) Hobson-Jobson A Glossary of Colloquial Angro-Indian Words and Phrases, and of Kindred Terms, Etymological, Historical, Geographical and Discursive. (first ed. 1886) Delhi: Rupa.

Scanned by CamScanner